محمد بلال

حیات امین احسن

(۱۸)

اصل مسئلہ: آخرت کی نجات

اصل مسئلہ آخرت کی نجات ہے، یہ بات ہر وقت امین احسن کے پیش نظر ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دنیا سے بہت زیادہ توقعات وابستہ نہیں کرتے تھے۔ ۶/ اگست ۱۹۷۰ء کو لاہور سے جناب محمود احمد لودھی کے نام خط میں امین احسن لکھتے ہیں:

''میری صحت ادھر برابر خراب رہی اس وجہ سے تقریباً دو ہفتے سے لکھنے کا کام بالکل بند ہے۔ درس کا کام کچھ ہو رہا ہے۔

آپ حضرات سے امیدیں تو بہت کچھ تھیں لیکن شکایت الحمد للہ کوئی نہیں ہے۔ آپ اپنے حالات سے مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ میں یہ گمان نہیں کر سکتا کہ آپ حالات کے مساعد ہونے کے باوجود میری امیدوں کا ساتھ نہ دے سکے۔ اب تو میں نے یہ طے کر لیا ہے کہ جو کچھ اپنے سے بن سکے وہ کرو اور مستقبل کا معاملہ اللہ پر چھوڑو۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا تو کام جاری رہے گا نہ منظور ہو گا تو بند ہو جائے گا۔

میری صحت ادھر برابر خراب رہی اور اب بظاہر یہ تقاضائے عمر ہے۔ میرے سامنے اب اصل مسئلہ کاموں کی تکمیل کا نہیں بلکہ آخرت کی نجات کا ہے۔ چاہتا ہوں کہ مرتے دم تک کچھ خدمت انجام پاتی رہے۔ درس بھی کسی بڑی توقع کے ساتھ نہیں بلکہ محض ادائے فرض کے لیے دے رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ یہ کسی نہ کسی شکل میں آخر دم تک جاری رہے۔'' (سہ ماہی تدبر، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۳۴-۳۵)

نفاست پسندی

نفاست امین احسن کی شخصیت کا لازمی حصہ تھا۔ یہ خوبی ان کے لباس ہی میں نہیں، بلکہ ماحول میں بھی نمایاں ہوتی تھی۔ ضیاء الدین اصلاحی لکھتے ہیں:

''مولانا اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ بڑے پر کشش، وجیہ و شکیل، جامہ زیب، بارعب اور نفاست پسند شخص تھے۔ انھیں صفائی بہت پسند تھی۔ کبھی ان کے جسم پر میلے کچیلے کپڑے نہیں دیکھے گئے۔ لباس سفید پہنتے تھے جس پر کہیں داغ دھبہ نہیں ہوتا تھا۔ لباس ہی کی طرح ان کا کمرا بھی چمکتا اور جگمگاتا رہتا تھا۔ ان کی پڑھنے لکھنے کی میز بہت مرتب اور صاف ہوتی۔ ان کی ہر ہر چیز سے حسن، نفاست اور سلیقہ مندی ظاہر ہوتی تھی اور کہیں سے بدذوقی اور بے ڈھنگے پن کا پتا نہیں چلتا تھا۔'' (سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ص ۱۴)

ڈاکٹر زاہد منیر عامر صاحب نے اپنی ایک ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

''ہم لاؤنج سے گزر کر جس کمرے میں آئے وہ غالباً مولانا ہی کا بیڈ روم تھا۔ سلیقے اور نفاست سے رکھی ہوئی اشیاء، صاف ستھرا ماحول اور اس میں اجلے اجلے مولانا امین احسن صاحب کا سراپا، قریب روایتی بزرگوں کی طرح پان کے اسباب دھرے ہوئے، وہ نقشہ اب بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔''

(سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ص ۶۸)

جلال و جمال

امین احسن کو جب کسی شخص پر غصہ آتا تو وہ سخت الفاظ اور اسلوب میں اس کا اظہار کرتے۔ اور اگر انھیں احساس ہوتا کہ اس میں ان سے زیادتی ہو گئی ہے تو یہ جلال جمال میں تبدیل ہو جاتا تھا۔

ضیاء الدین اصلاحی لکھتے ہیں:

''جب کسی پر غصہ آتا اور بہت برہم ہو جاتے تو بعض اوقات کچھ سخت سست اور ناگفتنی بھی کہہ جاتے لیکن جلد ہی ان کا غصہ فرو ہو جاتا۔ کسی سے کینہ کدورت نہ رکھتے۔'' (سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ص ۱۵)

غامدی صاحب امین احسن کی ناراضی کی کیفیت بیان کرتے ہیں:

''وہ اتنے سچے، اتنے بے لاگ اور اتنے دوٹوک تھے کہ مصلحت اندیشی کے پیمانے سے اسے خطرناک سمجھا جائے گا۔ جو کچھ کہنا چاہتے، بغیر کسی تردد کے کہہ دیتے۔ اپنے رفقا میں فکر و عمل کا کوئی تضاد کسی حال میں برداشت نہ کرتے۔ ان کی محبت بے پناہ تھی، مگر اخلاص کی گہرائی سے جس طرح یہ محبت چشمہ بن کر پھوٹتی تھی، اسی طرح رنج بھی ابل پڑتا تھا، تاہم دیکھنے والے دیکھتے کہ اس میں کسی بغض، کسی کینے اور کسی دشمنی کا کوئی

شائبہ نہ ہوتا۔ گویا وہی معاملہ تھا کہ:

قہر بھی اس کا ہے اللہ کے بندوں پہ شفیق''

(ماہنامہ اشراق، جنوری/فروری ۱۹۹۸ء، ص ۲۷)

عجز وانکساری

جماعت اسلامی کے قیام کے کچھ عرصہ بعد مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی کو امیر جماعت کی شخصیت سے کچھ شکایتیں پیدا ہو گئیں۔ ان کے نزدیک جماعت کے مقاصد کے لحاظ سے امیر جماعت کو نہایت عبادت گزار اور متقی ہونا چاہیے تاکہ اس کی ذات سے سلف صالحین کی یاد تازہ ہو جائے، مگر مولانا مودودی ان کے معیار تقویٰ پر پورے نہیں اترتے تھے۔ اس لیے وہ جماعت سے الگ ہو گئے۔ اس معاملے میں انھوں نے امین احسن کو بھی اعتماد میں لیا تھا، مگر وہ ان کی توقع کے برخلاف جماعت ہی میں رہے۔ امین احسن نے انھیں کہا کہ آپ حضرات تقویٰ اور عزیمت کے جس مقام پر ہیں، آپ کا امیر جماعت کی شخصیت پر اطمینان نہ ہونا سمجھ میں آتا ہے، لیکن میں تو مولانا مودودی سے بھی گیا گزرا ہوں، میں اس چیز کو جماعت سے علیحدگی کی بنیاد نہیں بنا سکتا۔ یہ واقعہ امین احسن کے عجز وانکساری کا غماز ہے۔

جسٹس (ر) محمد افضل چیمہ لکھتے ہیں:

''فیلڈ مارشل ایوب خان اور مس فاطمہ جناح کے مابین صدارتی انتخاب کے دوران جماعت اسلامی نے حضرت مولانا مودودی کی منظوری سے فیلڈ مارشل کے مقابلہ میں مس فاطمہ جناح کی حمایت کا فیصلہ کیا۔ اس میں چوہدری محمد علی سابق وزیر اعظم بھی ان کے ہم خیال تھے۔ اس کے برعکس مولانا اصلاحی عورت کی سربراہی کی شرعی ممانعت کے قائل تھے۔ چوہدری محمد علی نے اپنے متعدد بیانات اور تقاریر میں فیلڈ مارشل پر سخت تنقید کرتے ہوئے مس فاطمہ جناح کی حمایت میں دلائل دیے، جس سے مولانا اصلاحی کو شدید اختلاف تھا۔ چنانچہ انھوں نے چوہدری محمد علی کے خلاف سخت تنقیدی بیان دیا جس سے چوہدری صاحب کی تنقیص و تحقیر کا پہلو نمایاں تھا۔ معلوم ہوتا ہے بعد میں حضرت مولانا کو چوہدری صاحب کے جذبات مجروح ہونے کا خیال آیا۔ چنانچہ وہ بہ نفس نفیس چوہدری صاحب کی خدمت میں تشریف لے گئے، ان سے معذرت بھی کی اور ان کی خدمت میں ''تدبر قرآن'' کی پہلی جلد بھی پیش کی۔ اس ملاقات میں احقر کو بھی معیت کا شرف حاصل تھا۔ چوہدری صاحب مرحوم مجھ سے بھی ناراض تھے مگر بکمال شفقت صفائی قلب کا اظہار فرمایا۔''

(سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ص ۸۳)

تفریح طبع

تفریح ہر انسان کی ضرورت ہے اور ہر انسان کسی نہ کسی ذریعے سے اور کوئی نہ کوئی تفریح حاصل کرتا بھی ہے۔ امین احسن کی تفریح کے بارے میں غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''... علم و عمل کے جس مرتبے پر وہ فائز تھے، وہاں کھیل تماشے کا کیا گزر؟ لیکن ملک سے ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ پاکستان اور بھارت اگر کبھی میدان میں اترتے تو بار بار پوچھتے اور اس وقت تک مطمئن نہ ہوتے، جب تک پاکستان کی فتح کا یقین نہ ہو جاتا۔ غالب، اقبال اور شبلی کے بڑے مداح تھے۔ ان کے اشعار اکثر پڑھتے۔'' (ماہنامہ اشراق، جنوری/فروری ۱۹۹۸ء، ص ۲۸)

آم اور سینے پر تیر

لاہور سے ۷/ مئی ۱۹۶۶ء کو جناب محمود احمد لودھی کے نام امین احسن ایک خط میں لکھتے ہیں:

''بچوں کی وجہ سے مصروفیتوں میں بھی کچھ اضافہ ہوا ہے۔ سعید کی واپسی دسمبر سے پہلے متوقع نہیں ہے۔ آموں کا ذکر کر کے آپ نے سینے پر ایک تیر مارا لیکن اب میں آموں سے دور ہو چکا۔ اب یہ نعمت میرے نصیب میں کہاں!'' (سہ ماہی تدبر، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۴۱)

ڈھاکہ دیکھنے کی خواہش

لاہور سے ۶/ جون ۱۹۶۶ء کو محمود احمد لودھی صاحب کو خط میں امین احسن مرطوب علاقے کے ساتھ اپنی مناسبت کا ذکر کچھ اس طرح کرتے ہیں:

''ڈھاکہ دیکھنے کی خواہش تو کبھی کبھی دل میں پیدا ہوتی ہے۔ میں طبعی طور پر اس طرح کے علاقوں سے بڑی مناسبت رکھتا ہوں جو مرطوب ہیں لیکن اب ہوس سیر و تماشا کا دور ختم ہو چکا ہے۔ اب تو ہر وقت بس فکر یہ ہے کہ چالیس سال کی کاوش سے جو ذخیرہ جمع ہوا ہے اس کا کوئی حامل پیدا ہو کہ یہ ضائع ہونے سے بچ جائے اور اس طرز پر فکر کا سلسلہ قائم رہے اب ہمارا کیا اعتبار!'' (سہ ماہی تدبر، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۲۰)

عقل سے کام لینے والے

امین احسن تقلید سے بے زار تھے اور دلیل کی بنیاد پر آرا قائم کرتے تھے، اسی طرح وہ اپنی تحریروں کا مخاطب بھی عقل سے کام لینے والوں ہی کو بناتے تھے۔ ۱۶/ ستمبر ۱۹۶۴ء کو لاہور سے امین احسن سردار محمد

اجمل خان لغاری کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''عنایت نامہ موصول ہوا۔ میری خواہش ہے کہ آپ میری کتاب پر جو رائے بھی قائم کریں اپنی صواب دید پر قائم کریں۔ (کتاب سے اشارہ تفسیر تدبر قرآن کی طرف ہے جو اس وقت ماہنامہ میثاق میں شائع ہو رہی تھی۔ مدیر) اس سے مجھے اطمینان ہو گا۔ اگر دوسروں کی رائے کی روشنی میں آپ جیسے صاحب علم و فہم نے کوئی رائے بنائی تو اس سے مجھے کوئی خوشی نہیں ہو گی۔ آپ ان لوگوں کو زیادہ اہمیت نہ دیں جن کا طرز فکر تقلیدی ہے۔ ایسے لوگوں کی رایوں کا مجھے مطلق انتظار نہیں ہے۔ مجھے صرف ان لوگوں سے بحث ہے جو اپنی عقل سے کام لیتے ہیں۔ میں نے یہ چیز انہی لوگوں کے لئے لکھی ہے اور میں جو کچھ بھی لکھتا ہوں ایسے ہی لوگوں کے لئے لکھتا ہوں۔'' (سہ ماہی تدبر، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۷)

امور دنیا سے بے اعتنائی

امین احسن اپنے علمی کاموں میں اس قدر مستغرق رہتے کہ امور دنیا سے آپ سے آپ دور ہو جاتے تھے۔ صحافی اور کالم نگار جناب ارشاد احمد حقانی نے اس ضمن میں لکھا:

''... جیسا کہ علم و ادب کی دنیا کے اکابرین کے ساتھ بالعموم ہوتا ہے، مولانا اصلاحی اپنے میدان میں تو شہسوار تھے اور یکتا و لاجواب تھے، لیکن امورِ دنیا کے ساتھ معاملے میں ان کا انہماک نہ ہونے کے برابر تھا۔ انھیں کبھی اچھرہ سے شہر جانا ہوتا تو لازمی تھا کہ کوئی کارکن ان کے ساتھ جائے، تانگہ کرائے اور انہیں بٹھا کر واپس آئے۔ مولانا اصلاحی ماشاء اللہ بہت خوش شکل، خوش ذوق، خوش اطوار اور خوش کلام تھے اور ان کی مجلس میں بیٹھنا اور ان کے منہ سے جھڑتے ہوئے الفاظ کے پھول چننا اور دیکھنا ایک بہت بڑی سعادت کی بات ہوتی تھی۔'' (ماہنامہ اشراق، جنوری/فروری ۱۹۹۸ء، ص ۳۷)

ایک دیرینہ کم زوری

خط کتابت کے معاملے میں اپنی ایک کم زوری کا ذکر کرتے ہوئے لاہور سے ۲۱/ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو جناب محمود احمد لودھی کے نام ایک خط ہی میں امین احسن لکھتے ہیں:

''میرے معاملے میں آپ کو یہ قربانی ہمیشہ کرنی پڑے گی کہ آپ کو میری طرف سے جواب پائے بغیر خط لکھتے رہنا پڑے گا۔ میری یہ کم زوری ایک دیرینہ کم زوری ہے کہ میں عزیزوں اور دوستوں سے خط کا ہمیشہ متوقع رہا ہوں اور خود خط لکھنے میں پرلے درجے کا کاہل ہوں۔'' (سہ ماہی تدبر، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۹۱)

اپنی کتب کی رائلٹی لینا

بعض مذہبی شخصیات اپنے لیے ایسی چیزیں بھی ناجائز قرار دے دیتے ہیں جن کی شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ امین احسن اس معاملے میں بڑی متوازن جگہ پر کھڑے تھے۔ ۱۶/ ستمبر ۱۹۶۴ء کو لاہور سے وہ سردار محمد اجمل خان لغاری کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''رائلٹی کے متعلق اب تک کوئی گفتگو نہیں ہوئی ہے۔ ویسے میں نے اس سے پہلے اپنی بعض کتابوں کی رائلٹی وصول کی ہے اور وہ کتابیں دینی و اسلامی ہیں۔ میرے خیال میں اس کے عدم جواز تو درکنار اس کی کراہت کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے۔ مجھے کسی ایسے قابل ذکر آدمی کا علم نہیں ہے جس نے اس کو خلافِ شرع قرار دیا ہو۔ یوں میری خواہش یہ ہے کہ اگر میرے پاس وسائل و ذرائع موجود ہوتے تو میں اس کو خود اپنے اہتمام میں چھپواتا اور خریداروں کو معمولی منافع پر دیتا۔... میں اس بات کے لئے تیار ہوں کہ کوئی صاحب روپیہ دے دیں اور وہ منافع میں شریک ہو جائیں۔'' (سہ ماہی تدبر، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۷)

مظلوم مصنف

بعض لوگ امین احسن کی کتابوں کا ترجمہ ان کی اجازت کے بغیر ہی شائع کر دیتے تھے، مگر امین احسن اس چیز کا صحیح طریقے سے نوٹس نہیں لیتے تھے، اور اس ظلم کو برداشت کر لیتے تھے۔ لاہور سے ۸/ اپریل ۱۹۷۹ء کو ڈاکٹر عبداللطیف خان کے نام وہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

''آپ مولانا عبدالحسیب صاحب کو لکھ دیں کہ مولانا فراہیؒ کی عربی تصنیفات کا تعلق تمام تر دائرۂ حمیدیہ سے ہے۔ ان کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے کے مجاز مولانا بدرالدین صاحب ہیں۔ رہیں میری تالیفات تو دعوتِ دین کے عربی ترجمہ کی اجازت میں نے کرامت صاحب کو نہیں دی ہے اگر وہ ترجمہ کرا رہے ہیں تو وہ بطور خود کرا رہے ہیں۔ میں اپنی کتابوں کے معاملے میں شروع ہی سے ایک مظلوم مصنف ہوں اور اپنی اس مظلومیت پر راضی ہوں۔ مولانا عبدالحسیب صاحب کو سلام لکھ دیجئے اور اپنے ہاں ہم دونوں کی طرف سے سب کو دعا و سلام پہنچایئے۔'' (سہ ماہی تدبر، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۳۹-۴۰)

تجزیے اور محاکمے کا اسلوب

امین احسن کے تجزیے اور محاکمے کا اسلوب بڑا سخت، قطعی اور مدلل ہوتا تھا۔ ''جائزہ کمیٹی'' پر الزامات کے جواب میں مولانا مودودی کو جو خط انھوں نے لکھا ہے، اسے شام کے سفیر نے پڑھا تو اس پر اپنے قلم سے لکھ دیا:

''مولانا، آپ نے خط نہیں لکھا، قاضی کا فیصلہ لکھا ہے۔'' جماعت اسلامی پر مولانا منظور احمد نعمانی کی فرد قرارداد جرم کے جواب میں، مولانا مودودی کے نظریۂ حکمت عملی کے تجزیے اور عائلی کمیشن کی رپورٹ پر تبصرے میں ان کا یہی انداز تھا (ماہنامہ اشراق، جنوری/فروری ۱۹۹۸ء، ص ۲۳)۔

امین احسن کی زیارت اور صاحب مزار

امین احسن حد سے متجاوز مذہبی عقیدت سے بہت بے زار تھے۔ مدرس قرآن قاضی محمد کفایت اللہ ان کے اس وصف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''... جب میں مولانا جعفر شاہ مرحوم کے توجہ دلانے پر آپ کے ہاں پہنچا تو علیک سلیک کے بعد آپ نے میری آمد کا سبب پوچھا، میں نے تعزیت اور زیارت کو اپنی آمد کا سبب بتایا۔ آپ نے فرمایا: تعزیت کے لیے آنے میں آپ نے بڑی تاخیر کر دی۔ تاہم دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس آمد کو قبول کرے۔ البتہ آپ کا میرے ہاں زیارت کے لیے آنا کسی طرح بھی صحیح نہیں، کیونکہ نہ تو میں کوئی مزار ہوں، نہ ہی کسی صاحب مزار سے میرا کچھ تعلق ہے، اور نہ ہی میں اس حوالے سے مجاز بیعت ہوں کہ جس کی لوگ آکر زیارت کیا کریں۔ لہٰذا اس کے علاوہ آپ کی آمد کا کوئی سبب ہے تو وہ بتائیں ورنہ مناسب یہی ہے کہ آپ نہ اپنا وقت ضائع کریں اور نہ میرا۔'' (ماہنامہ اشراق، جنوری/فروری ۱۹۹۸ء، ص ۵۲)

طرز تحریر

امین احسن کی تحریر ادبی خوبیوں کی حامل ہوتی تھی۔ ان خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے ضیاء الدین اصلاحی لکھتے ہیں:

''مولانا امین احسن صاحب کی رگ وپے میں علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی صہبائے علم وادب رقص کر رہی تھی۔ اور وہ ان کے طرز تحریر کو اردو انشاء پردازی کا اعلیٰ ترین نمونہ سمجھتے تھے۔ ان کی تحریروں کی رعنائی، دل کشی اور دلآویزی کا یہی سبب ہے۔ لیکن اب ان کی پختگی اور مشاقی سے ان کا اپنا الگ اور جداگانہ رنگ وآہنگ بھی ہو گیا تھا، جس میں سادگی کے باوجود پرکاری ہوتی تھی۔ طبقۂ علما میں ایسی صاف، شستہ، سلیس، شگفتہ اور رواں اردو لکھنے والے کم ملیں گے۔ ان کو عربی لکھنے پر بھی قدرت تھی۔ ''الضیاء'' (لکھنؤ) میں ان کے بعض عربی مضامین شائع ہوئے۔

مولانا کی قلمی زندگی کا آغاز صحافت سے ہوا تھا اور تصنیفی زندگی کی بسم اللہ کلمہ لا الہ الا اللہ کی تشریح سے

ہوئی۔ پہلے ''حقیقت شرک'' لکھی۔ پھر ''حقیقت توحید۔'' (سہ ماہی تدبر، اپریل ۱۹۹۸ء، ص ۱۱-۱۲)

صحافی اور کالم نگار جناب ارشاد احمد حقانی نے لکھا:

''... مولانا اصلاحی کو تحریر اور تقریر پر ایسی بے پناہ قدرت تھی کہ باید و شاید۔ مولانا مودودی سمیت جماعت میں خطابت کے میدان میں کوئی ان کا حریف نہ تھا۔ مولانا کا ذہن انتہائی شارپ تھا اور بعض اوقات ان کی یہ غیر معمولی براقیِ ذہن ان کی تحریر اور تقریر میں بھی نمایاں ہو کر سامنے آجاتی تھی۔ مفسرِ قرآن تو ہمارے ہاں بہت ہوئے ہیں، لیکن عربیِ مبین پر جس قدر قدرت مولانا اصلاحی کو حاصل تھی بہت کم لوگ اس میں ان کے مدِ مقابل ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔'' (ماہنامہ اشراق، جنوری/فروری ۱۹۹۸ء، ص ۳۶)

صحافی اور کالم نگار عطاء الرحمٰن لکھتے ہیں:

''... مولانا مودودی کی اسلامی فکر میں حد درجہ جامعیت ہے۔ ان کی انشا میں سلاست اور روانی پائی جاتی ہے۔ ان کا انداز تحریر زیادہ سائنٹیفک ہے۔ مولانا اصلاحی کا امتیاز گہرائی اور گیرائی ہے۔ انھیں قرآنی علوم میں ایک خاص تخصص حاصل ہے۔ ان کی انشا بہت زوردار ہے۔ مولانا مودودی کی فصاحت کے مقابلے میں اس میں آپ کو زیادہ بلاغت نظر آئے گی۔ مولانا مودودی کھلے میدانوں کے شہسوار ہیں۔ مولانا اصلاحی باقاعدہ کوہ کنی کر کے عملی پیاس بجھاتے ہیں۔ وہ اسلام کے احیائی مفکر تھے۔ یہ آیات قرآنی پر تدبر کرنے والے محقق تھے۔ دونوں میں ایک قدر مشترک یہ ہے کہ تقلید و جمود کے اس دور میں اپنی اپنی جگہ اجتہادی صلاحیتیں رکھتے تھے۔'' (ماہنامہ اشراق، جنوری/فروری ۱۹۹۸ء، ص ۴۶)

ادیب اور بے ادب

امین احسن بہر حال ایک انسان تھے۔ تحریر میں ان سے غلطیاں بھی سرزد ہوتی تھیں۔ ان غلطیوں کی وجہ بتاتے ہوئے لاہور سے ۱۶/ فروری ۱۹۶۷ء کو محمود احمد لودھی صاحب کے نام ایک خط میں وہ لکھتے ہیں:

''آپ نے بالکل صحیح گرفت کی۔ خدا جانے استہزا اڑانا، کس طرح قلم سے نکل گیا۔ معلوم ہوتا ہے 'استہزا' اور 'اڑانے' میں کچھ فصل تھا اس وجہ سے قلم نے ناگواری محسوس نہیں کی۔ میں لکھتے وقت دماغ کو معنی پر مرکوز کر کے الفاظ کے معاملے کو یکسر قلم پر چھوڑ دیتا ہوں۔ ادیبوں کی طرح الفاظ پر دھیان نہیں دیتا۔ اس سے بعض مرتبہ عجیب عجیب، بچوں کی سی غلطیاں کر جاتا ہوں۔ آپ لوگ ان چیزوں پر نگاہ رکھیں۔ میں ادیب تو مشہور ہونا نہیں چاہتا لیکن بے ادب کہلانا بھی پسند نہیں کرتا۔ اس وجہ سے میری تحریروں کی اصلاح کرنے کا آپ لوگوں کو نہ صرف حق ہے بلکہ اسے میری خاطر فرض بھی سمجھئے۔'' (سہ ماہی تدبر، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۱۱)

پڑھے کم لکھے زیادہ

اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے ہاں لوگ دوسروں پر تنقید کرنے میں بہت جلد باز واقع ہوئے ہیں۔ وہ دوسرے کی تحریر یا نقطۂ نظر کو سمجھنے میں مناسب وقت صرف نہیں کرتے اور فوراً تنقیدی قلم اٹھا لیتے ہیں۔ لاہور رحمان آباد سے ۲۸/ مئی ۱۹۷۹ء کو ملک عبدالرشید عراقی کے نام امین احسن لکھتے ہیں:

''اس کتاب سے متعلق مجھے کسی کی تقریظ یا تنقید کا انتظار نہیں ہے۔ جن لوگوں کی رائے پر مجھے اطمینان ہے ان کی رائیں مجھے موصول ہو چکی ہیں اور وہ کافی ہیں۔ مجھے جو کچھ لکھنا تھا میں نے لکھ دیا اب لوگ جو چاہیں خامہ فرسائی کرتے رہیں۔ بہتر تو یہ تھا کہ لوگ اس کتاب کو سمجھنے کی کوشش کرتے لیکن اس کور ذوقی کے دور میں سمجھنے سے زیادہ لکھنے کا شوق ہے۔'' (سہ ماہی تدبر، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۱۶)

کم بولنا اور کم لکھنا

دانا لوگ یہ تو سمجھاتے ہیں کہ کم بولنا چاہیے۔ قلت کلام سے کام لینا چاہیے، مگر اس جانب بہت کم لوگوں کی توجہ جاتی ہے کہ کم لکھنا بھی چاہیے۔ دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض لوگوں کی سینکڑوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور وہ بڑے فخر کے ساتھ ان کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ تفسیر قرآن اور گنتی کی چند کتب کے مصنف امین احسن شیخ سلطان احمد صاحب کو ان کے ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں:

''اس معاملے میں آپ حضرات کا زیادہ حساس ہونا میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر یہ چیز آدمی کے لیے فتنہ ہے تو ہم گناہ گار تو اس فتنہ میں اس طرح مبتلا ہیں کہ اس سے نجات کی کوئی شکل باقی ہی نہیں رہی ہے۔ چاہیں یا نہ چاہیں لیکن چھپنے چھپانے سے اپنے کو بچانا ناممکن ہے۔ میرے نزدیک تو بولنا اور لکھنا دونوں یکساں ہے۔ جس طرح بے ضرورت بولنا گناہ ہے اسی طرح بے ضرورت لکھنا اور چھاپنا بھی گناہ ہے۔ اور اسی اصول پر جس طرح ضرورت پر نہ بولنا گناہ ہے اسی طرح ضرورت پر نہ لکھنا بھی گناہ ہے۔ میرے نزدیک یہ نقطۂ نظر زیادہ صحیح ہے۔ اور آپ حضرات کی شدت احتیاط میں صوفیانہ تقشف کی جھلک ہے جو بجائے خود ایک فتنہ ہے۔''

(سہ ماہی تدبر، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۳۷)

[باقی]